لغوی منہجِ تفسیر کی روشنی میں مطالب الفرقان کا مطالعہ

The Study of Maṭālib-ul-Furqān in the light of Lexical Methodology

Muhammad Soban
Doctoral Candidate, Department of Islamic Learning, University of Karachi
Email: soban.muhammad921@gmail.com

Dr Muhammad Atif Aslam Rao
Assistant Professor, Department of Islamic Learning, University of Karachi
Email: dratifrao@uok.edu.pk

Abstract
The Qur'ān is the last and ultimate book of guidance. It contains pearls of knowledge and principles. Tafsīr of the Qur'ān consists of explaining the difficult words and phrases, the purpose of revelation and the commands relating to the compulsory, obligatory, permissible and forbidden things, fundamental beliefs. With the significance of the Arabic dictionary, the lexical commentary method emerged. Like other methodologies, the lexical method of Tafsīr also became formal. This commentary style had a significant impact on Urdu commentary literature. A historic name among them is Mr. Chaudhry Ghulām Aḥmad Parvez. This research seeks to uncover the profound layers of meaning embedded in the Qurān, shedding light on the intricacies of the divine message. In applying this method to "Maṭālib-ul-Furqān,"this study aims to elucidate how Ghulām Pervaiz employed lexical analysis to provide a deeper understanding of the Quranic verses and their implications. This research is highly significant for those who have an interest in Quranic Sciences. The article marks and points out the incorrect description of the fundamentals of Islam which were made based on dictionary meanings. The thorough research of the paper is highly significant for those who have an interest in Quranic Sciences.

Keywords: Ghulām Aḥmad Parvez, lexical analysis, Maṭālib-ul-Furqān, Quranic sciences

تفہیمِ لغتِ عرب قرآن فہمی کا ایک اہم ذریعہ ہے اسی اہمیت کے پیشِ نظر لغوی تفسیری منہج وجود میں آیا۔ جس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ محض عربی لغت قرآن فہمی کے لیے کافی ہے بلکہ تفسیرِ قرآن کی بنیادی شرائط کے ساتھ یہ بھی ایک شرط ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لغوی منہجِ تفسیر کی اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس منہج میں لغت کی مباحث کو خاص طور پر پیش نظر رکھا جاتا ہے اور آیات قرآنی کو لغت کی تائید کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ لغوی منہجِ تفسیر کے اثرات نمایاں طور پر اردو تفسیری ادب پر بھی پڑے اور کئی مفسرین نے تفسیرِ قرآن میں لغت سے استشہاد کیا۔ جن میں ایک ممتاز نام جناب چودھری غلام احمد پرویز[1] کا بھی ہے، آپ کی تفسیر "مطالب الفرقان" کے نام سے اہلِ علم میں معروف ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں لغوی منہجِ تفسیر کی روشنی میں تفسیر مطالب الفرقان کا مطالعہ کیا جائے گا۔

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ:

چوہدری غلام احمد پرویز کی تفسیر "مطالب الفرقان" پر کئی ایک کتب اور مقالات تحریر کیے گئے ہیں جن میں سے ذیل میں دو متعلقہ عناوین کا ذکر کیا جائے گا اور یہ واضح کیا جائے گا کہ زیرِ نظر مقالے میں مذکورہ عنوان پر کون سی نئی جہت کو زیرِ بحث لایا جائے گا؟

- "تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ"، پروفیسر محمد دین قاسمی، ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور۔

اس کتاب میں پرویز صاحب کے تفسیری تفردات سے بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب خاص کر فکرِ پرویز کی حدیث کے حوالے سے قبول و عدمِ قبول پر بحث کرتی ہے۔

- "تفسیر قرآن میں لغت عرب سے استشہاد کی حیثیت اور غلام احمد پرویز کے استدلالات کا تحقیقی جائزہ"، عبد الرزاق، ایقان (مجلہ علوم اسلامیہ)، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد کیمپس، فیصل آباد۔ جلد 3، شمارہ 1، دسمبر 2020ء۔

مذکورہ مقالے میں غلام احمد پرویز کے لغت سے استشہادات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے مزید بر آں مقالہ نگار نے پرویز صاحب کی عربیت کا معیار بھی متعین کیا ہے۔

زیر نظر مقالہ اس طور پر مذکورہ عناوین سے مختلف ہے کہ اس میں لغوی منہج تفسیر کو بنیاد بنا کر مطالب الفرقان کا مطالعہ کیا گیا ہے اور پرویز صاحب کی صرف منتخب تفسیری آراء بااعتبارِ لغت جو ان کے تفردات میں سے ہیں ان کا جمہور سے تقابل پیش کر کت تجزیہ کیا گیا ہے۔

تفسیر مطالب الفرقان کا تعارف:

تفسیر مطالب الفرقان غلام احمد پرویز کے دروس قرآن کا مجموعہ ہے، جس کی کل سات جلدیں ہیں۔ یہ مکمل قرآن پاک کی تفسیر نہیں ہے بلکہ سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الحجر تک ہے۔ اس تفسیر کا بغور مطالعہ کرنے سے اس کے اسلوب کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

- یہ تفسیر تفسیر القرآن بالقرآن ہے۔
- احادیث کو تشریح میں بیان کرنے سے مکمل اجتناب کیا گیا ہے۔
- لغت عرب سے ممکنہ استفادہ کیا گیا ہے، حتیٰ کہ اپنے خیالات و نظریات سے ہم آہنگ نادر اور غریب الفاظ کو بیان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔

- جن تفاسیر میں باہم تعارض ہو ان کو حل نہیں کیا گیا بلکہ وہاں تعارض سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی رائے قائم کی۔
- نسخ آیات سے اجتناب کیا گیا ہے۔
- صرف موجودہ قرات پر اکتفا کیا گیا ہے۔

غلام احمد پرویز نے اس منہج پر قرآن پاک کی تفسیر کی۔ ان کی اصل پہچان تو انکار حدیث کا اسلوب ہے اور دیگر محققین وناقدین نے اسی پہلو کی نشان دہی کی ہے لیکن سر دست حدیث ہمارا موضوع نہیں ہے بلکہ لغوی منہج تفسیر کی نشان دہی مقصود ہے، چناں چہ ذیل میں مطالب الفرقان کے لغوی منہج کی وضاحت کی جائے گی۔

صلوٰۃ کا معنیٰ:

لفظ "صلوٰۃ" کے لغت میں بہت سے معانی آتے ہیں لیکن شریعت میں یہ ارکان مخصوصہ پر مشتمل عبادت کی ایک قسم کا نام ہے جو دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ ذیل میں پہلے ہم دیکھیں گے کہ غلام احمد پرویز اس لفظ کا کیا معنیٰ لیتے ہیں؟

"صلوٰۃ" کے معروف معنیٰ کا اعتراف:

اس بات کو بیان نہ کرنا علمی خیانت شمار ہو گا کہ جناب پرویز نے "صلوٰۃ" کا معنیٰ نماز بھی لیا ہے نیز نماز کے متواتر ہونے کو تسلیم بھی کیا ہے۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

> "قران کریم نے جن ایسی باتوں کا حکم دیا، جو عملی شکل میں سامنے آئے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی تھیں حضور ﷺ نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ ان احکام کی تعمیل کیسے ہو گی؟ مثلاً قرآن نے حکم دیا کہ اقیموالصلوٰۃ (نماز قائم کرو) نماز کی عملی شکل کیا ہو گی؟ اسے نبی اکرم ﷺ نے خود نماز پڑھ کر بتا دیا، رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کی اتباع صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے کی، ان کے بعد بعد میں آنے والے نے انہیں دیکھ کر ویسا ہی کیا اور یہ سلسلہ متواتر اس وقت تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا، عمل متواتر چونکہ محسوس شکل میں سامنے آتا ہے اس لیے اس کے آگے منتقل ہونے میں دشواری نہیں ہوتی۔"[2]

درج بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب پرویز صلوٰۃ کی اس اصطلاح سے بھی واقف تھے جس پر امت کا ہر زمانے میں اجماع رہا ہے، لیکن اس کے بعد صلوٰۃ کے جو معانی انہوں نے مراد لیے وہ بھی ذیل میں درج ہیں۔

صلوٰۃ بمعنیٰ صراط مستقیم پر چلنا:

جناب پرویز صلوٰۃ کا ایک عجیب معنیٰ بیان کرتے ہیں اور اس کے لیے وہ لغت ہی کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

"الصلوٰۃ، صراط مستقیم پر چلنے کا نام ہے،وہ صراط، جس کے متعلق فرمایا کہ ان ربی علیٰ صراط مستقیم[3] تیرے نشو نما دینے والے کا قانون ربوبیت خود متوازی راہ پر چل رہا ہے۔ اسی کے پیچھے پیچھے تم بھی چلتے جاؤ، مصلی اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو گھڑ دوڑ میں پہلے گھوڑے کے بالکل پیچھے پیچھے ہو،جو ادھر ادھر کی راہوں میں نکل جائے وہ مصلی نہیں ہے۔"

سورۃ ھود کی آیت نمبر 56 کے آخری حصہ کا صلوٰۃ سے کیا تعلق ہے اور ان دونوں میں کیا مناسبت ہے۔ یہ پہلا قضیہ ہے اس کو حل کرنے کے لیے تفسیر کے بنیادی مآخذ تک رسائی ناگزیر ہے۔ آیت مذکورہ کی تفسیر میں زجاج بیان کرتے ہیں:

أي هي في قبضتِهِ، وَتَنَالُهَا بِمَا تَشاء قُدرَتُه، ثم قال:(إن رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ).أي هو سبحانه وإن كانت قَدْرَته تنالها بما شاء، فهو لا يشاء إلَاّالعَدْل[4]

ترجمہ: اللہ پاک ہے اور اس کی قدرت ہو تو تمہیں وہ حاصل ہو جائے گا جو اللہ چاہے اور وہ عدل کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا۔

طبری اس آیت کا معنیٰ یوں بیان کرتے ہیں۔

إن ربي على طريق الحق[5]

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ صلوٰۃ کا اس آیت سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں، معلوم نہیں جناب پرویز مذکورہ آیت سے صلوٰۃ کی کیا مناسبت سمجھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں اسے بیان کیا۔اب آتے ہیں دوسرے قضیے کی طرف کہ لفظ صلوٰۃ سے مراد صراط مستقیم پر چلنا ہے اور اس کی دلیل انہوں نے لغت سے پیش کی کہ مصلی اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو دوڑ میں پہلے گھوڑے کے بالکل پیچھے پیچھے ہو،اب دیکھنا یہ ہے کہ صلوٰۃ کا یہ معنیٰ مفسرین کے ہاں قرآن میں کسی صحابی سے منقول ہے یا نہیں۔نمونہ کے طور پر چند تفسیروں کے حوالے درج ذیل ہیں۔

طبری سورۃ البقرہ آیت نمبر 3 کے ذیل میں لکھتے ہیں:

الصلاة تمامُ الرُّكوع والسُّجود،والتِّلاوةُ والخشوعُ،والإقبالُ عليها فيها [6]

ترجمہ: صلوٰۃ رکوع و سجود، تلاوت، خشوع اور صلوٰۃ میں صلوٰۃ پر توجہ کرنے کا نام ہے۔

اس مقام پر لفظ صلوٰۃ کا معنیٰ اگر نماز نہ بھی کریں تب بھی واضح ہوتا ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے نماز ہی مراد ہے۔ مزید برآں یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ طبری نے صلوٰۃ سے مراد نماز ہی لیا ہے نہ کہ صراط مستقیم یا کوئی اور معنیٰ اور اس مقام پر انہوں نے بجائے کسی روایت کو بیان کرنے کے محض صلوٰۃ کا مفہوم واضح کیا ہے۔

صلی یصلی ساتھ ساتھ حرکت کرنا:

قرآن کریم میں صلی یصلی درود بھیجنے کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے لیکن اس موقع پر جناب پرویز نے اس کا جو معنیٰ کیا ہے وہ پیش خدمت ہے۔ لکھتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا[7]

ترجمہ: اللہ کا قانون اور کائنات کی تمام قوتیں، اس نبی کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہی ہیں، اے مسلمانو! تم بھی اس نبی کے ساتھ ساتھ چلو اور پوری پوری تسلیم و رضا کا ثبوت دو۔[8]

مذکورہ ترجمہ میں جناب پرویز نے لغت کا سہارا لے کر بعید از شرع معنیٰ مراد لیا ہے حالانکہ تفسیر کی امہات الکتب میں کسی نے اس معنیٰ کی طرف التفات نہیں کیا۔ نمونے کے طور پر متقدمین کی تین اہم کتب کا حوالہ پیش خدمت ہے۔

ابن جریر طبری آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تأويل قوله تعالى: إِنَّ اللَّهَ وَمَلائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًايقول تعالى ذكره: إن الله وملائكته يبرّكون على النبي محمد صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم. كما حدثني علي، قال: ثنا أبو صالح، قال: ثني معاوية، عن علي، عن ابن عباس، قوله (إِنَّ اللَّهَ وَمَلائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ) يقول: يباركون على النبي. وقد يحتمل أن يقال: إن معنى ذلك: أن الله يرحم النبي، وتدعو له ملائكته ويستغفرون، وذلك أن الصلاة في كلام العرب من غير الله إنما هو دعاء[9]

ترجمہ: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی کریم ﷺ پر تبریک کرتے ہیں۔ عربی میں اس کا معنیٰ ہے برکت کی دعا دینا چونکہ یہاں یہ لفظ اللہ اور فرشتے دونوں کے لیے ایک ہی صیغہ میں استعمال ہوا ہے اس لیے فرشتوں کے اعتبار سے تو یہ معنیٰ درست ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے برکت نازل کرنے کے معنیٰ میں مستعمل ہو گا۔ یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے، ہدیہ تبریک پیش کرنا۔ اس کا معنیٰ کیا جاتا ہے مبارک باد یا شاباش کہنا۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے لیے برکت کی دعا کرتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے بیشک اللہ

تعالیٰ نبی کریم ﷺ پر رحمت نازل فرماتے ہیں اور فرشتے آپ ﷺ کے لیے دعا اور استغفار کرتے ہیں، یہ معنیٰ اس لیے مراد لیا کیونکہ کلام عرب میں صلوٰۃ کا لفظ غیر اللہ کے لیے صرف دعا کے طور پر آتا ہے۔

علامہ ماوردی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

إن الله وملائكته يصلون على النبي يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما قوله عز وجل:إنَّ اللَّهَ وَملاَئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ فيه ثلاثة أقاويل: أحدها: أن صلاة الله تعالى عليه ثناؤه عليه عند الملائكة , وصلاة الملائكة الدعاء , قاله أبو العالية. الثاني: أن صلاة الله تعالى عليه المغفرة له , وصلاة الملائكة الاستغفار له قاله سعيد بن جبير. الثالث: أن صلاة الله تعالى عليه رحمته , وصلاة الملائكة الدعاء له , قاله الحسن [10]

ترجمہ: اس آیت کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: ان میں سے پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ کا معنیٰ فرشتوں کے سامنے نبی کریم ﷺ کی تعریف بیان کرنا ہے۔ اور فرشتوں کا صلوٰۃ کا معنیٰ نبی کریم ﷺ کے لیے دعا کرنا ہے۔ اس قول کے قائل ابو العالیہ ہیں، دوسرا قول سعید بن جبیر کا ہے کہ صلوٰۃ اللہ کا معنیٰ نبی کریم ﷺ کی مغفرت فرمانا ہے، اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے مراد نبی کریم ﷺ کے لیے استغفار کرنا ہے، اور صلوٰۃ سے متعلق تیسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ سے مراد نبی کریم ﷺ پر رحمت نازل فرمانا ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد نبی کریم ﷺ کے لیے دعا کرنا ہے۔

علامہ ماوردی نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے عموماً مفسرین یہی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ لیکن جناب پرویز نے یہاں معروف معنیٰ بیان کرنے کے بجائے لغوی منہج اختیار کرتے ہوئے ایسا معنیٰ مراد لیا ہے جو جمہور اہل علم کے ہاں متداول نہیں ہے۔

علامہ بغوی آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَالصَّلَاةُ فِي اللُّغَةِ: الدُّعَاءُ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى:وَصَلِّ عَلَيْهِمْ[11]، أَيِ: ادْعُ لَهُمْ، وَفِي الشَّرِيعَةِ اسْمٌ لِأَفْعَالٍ مَخْصُوصَةٍ مِنْ قِيَامٍ وَرُكُوعٍ وَسُجُودٍ وَ قُعُودٍوَدُعَاءٍوَثَنَاءٍ،وَقِيلَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى:إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ [12]الْآيَةَ، إِنَّ الصَّلَاةَ مِنَ اللَّهِ فِي هَذِهِ الْآيَةِ الرَّحْمَةُ،وَمِنَ الْمَلَائِكَةِ الِاسْتِغْفَارُ، وَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ الدُّعَاءُ.[13]

ترجمہ: صلوٰۃ کا معنیٰ لغت میں دعا ہے، اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَصَلِّ عَلَيْهِمْ کا یہی معنیٰ ہے۔ صلوٰۃ

شریعت میں افعال مخصوصہ یعنی قیام، رکوع، سجود، قعود، دعا اور ثناء کا نام ہے اور آیت إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ میں صلوٰۃ من اللہ سے مراد رحمت ہے، صلوٰۃ من الملائکہ سے مراد استغفار ہے اور صلوٰۃ من المؤمنین سے مراد دعا ہے۔

علامہ بغوی نے اس آیت کی تفسیر میں پہلے تو صلوٰۃ کے لغوی معنیٰ کا ذکر کیا ہے اور یہی معنیٰ یہاں آثار سے منقول ہے، لغوی منہج تفسیر کا یہ پہلو محمود ہے کیونکہ اس کی بنیاد محض لغت پر نہیں بلکہ اس لغوی معنیٰ پر ہے جس کی تائید سلف سے بھی منقول ہے۔ اس کے برعکس جناب پرویز نے اسلاف کی تفاسیر کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے محض اپنے من پسند لغوی معنیٰ کو ترجیح دی ہے۔

علامہ بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

يعتنون بإظهار شرفه وتعظيم شأنه. يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ اعتنوا أنتم أيضاً فإنكم أولى بذلك وقولوا اللهم صلي على محمد. وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً وقولوا السلام عليك أيها النبي وقيل وانقادوا لأوامره، والآية تدل على وجوب الصلاة والسلام عليه في الجملة، وقيل تجب الصلاة كلما جرى ذكره لقوله عليه الصلاة والسلام رغم أنف رجل ذكرت عنده فلم يصل علي وقوله من ذكرت عنده فلم يصل علي فدخل النار فأبعده الله[14]

ترجمہ: مفسرین اس آیت سے نبی کریم ﷺ کی شرافت اور علو شان مراد لیتے ہیں کہ اے ایمان والو تم بھی نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ بھیجو کیونکہ تم اس کے زیادہ مستحق ہو، اور تم نبی کریم ﷺ پر سلام بھیجو اور کہو السلام عليك أيها النبي اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا معنیٰ ہے نبی کریم ﷺ کے اوامر کی پیروی کرو، یہ آیت مطلقاً درود و سلام کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اور کہا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا جب بھی ذکر ہو، آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنا لازم ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے تو وہ جہنم میں داخل ہو گا۔

علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں وہی بحث ذکر کی ہے جو مفسرین عام طور پر اس مقام پر بیان کرتے ہیں کہ اس آیت سے مراد نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجنا ہے اور اس امر کا اس آیت سے وجوب ثابت ہو رہا ہے۔ اس کے برعکس جناب پرویز نے "ساتھ ساتھ حرکت کرنا" کا جو معنیٰ بیان کیا ہے وہ لغت کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے نظریات کو بیان کرنا ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ آیت مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے صلوٰۃ کے جو معنیٰ پرویز نے مراد لیے ہیں بظاہر دیکھنے میں درست ہیں لیکن حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی وہ نقطہ ہے جس کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ کس طرح لغوی منہج تفسیر کا سہارا لے کر جمہور مفسرین کے ہاں متداول معانی کو چھوڑ کر محض اپنی فہم سے ایک بعید معنیٰ مراد لیا جاتا ہے۔

لَاتَقْتُلُوْہُ کا معنیٰ:

سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے امراۃ فرعون کا قول نقل کیا ہے۔

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَ لَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَه وَلَدًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ[15]

ترجمہ: فرعون کی بیوی نے کہا یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، کیا عجب ہے کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔

مذکورہ بالا آیت میں فرعون کی بیوی کا فرعون کو یہ کہنا اسے قتل نہ کرو، اس بناء پر تھا کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا۔[16] اس بات میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہے کہ دور دراز کی تاویلات کی جائیں لیکن جناب پرویز کے نزدیک یہاں قتل سے مراد جان سلب کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد حقیر سمجھ کر پھینک دینا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"یہاں لاتقتلوہ کے معنیٰ قتل کرنا نہیں ہوں گے بلکہ حقیر سمجھ کر پھینک دینا ہوں گے۔"[17]

قتل کا یہ مفہوم جناب پرویز نے لغت سے ہی لیا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس موقع پر یہ معنیٰ و مفہوم متقدمین اور متاخرین میں سے کسی مفسر نے لیا ہے یا نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مفہوم ان کا تفرد ہے۔

طبری سورۃ القصص آیت 4 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فجعل لايولد لبني إسرائيل مولود إلا ذبح، فلا يكبر الصغير. وقذف الله في مشيخة بني إسرائيل الموت، فأسرع فيهم. فدخل رءوس القبط على فرعون، فكلموه، فقالوا: إن هؤلاء قد وقع فيهم الموت، فيوشك أن يقع العمل على غلماننا! بذبح أبنائهم، فلا تبلغ الصغار وتفنى الكبار! فلو أنك كنت تبقي من أولادهم! فأمر أن يذبحوا سنة ويتركوا سنة. فلما كان في السنة التي لا يذبحون فيها ولد هارون، فترك; فلما كان في السنة التي يذبحون فيها حملت بموسى.[18]

ترجمہ: پس فرعون نے بنی اسرائیل کے ہر پیدا ہونے والے بچے کو ذبح کرنا شروع کر دیا، پس

کوئی بچہ بھی بڑا نہ ہوتا، اور اللہ نے بنی اسرائیل کے بوڑھوں پر موت طاری کر دی، وہ جلدی جلدی وفات پانے لگے۔ ان حالات کو دیکھ کر قبطی قوم کے سردار فرعون کے پاس آئے، اس سے بات چیت کی، انہوں نے کہا یہ لوگ مرتے جا رہے ہیں، عنقریب کام کاج ہمارے بچوں کو کرنا پڑے گا۔ ان کے بیٹے ذبح کیے جا رہے ہیں اور ان کے بوڑھے مرتے جا رہے ہیں، پس اگر آپ ان کی اولاد کو باقی رکھنا چاہتے ہیں تو یہ حکم جاری کر دیجیے کہ ایک سال ذبح کیا جائے اور ایک سال چھوڑ دیا جائے۔ فرعون نے ان کی بات مان لی چنانچہ جس سال بچوں کو ذبح نہیں کرنا تھا اس سال حضرت ہارون پیدا ہوئے لہٰذا ان کو چھوڑ دیا گیا، جب دوسرا سال آیا جس میں بچوں کو ذبح کیا جانا تھا اس سال حضرت موسیٰ کی والدہ کے حمل میں حضرت موسیٰ تشریف لائے۔

تفسیر طبری کی اس عبارت سے صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ فرعون کا بچوں کو قتل کرنے سے وہی قتل مراد ہے جو عرف میں معروف ہے نہ کہ حقیر سمجھ کر پھینک دینا۔ درج بالا عبارت میں قتل کا معنیٰ ذبح کرنے سے ہی قتل کا معنیٰ متعین ہو گیا پھر اس پر مستزاد یہ کہ آگے بیان کیا گیا کہ بنی اسرائیل کے بوڑھوں پر موت طاری ہو گئی، بچے تو قتل سی ناگہانی آفت سے ذبح ہوتے جا رہے تھے اور بوڑھے اپنی طبعی عمر گزار کر طبعی موت مرتے جا رہے تھے۔ اس ساری صورت حال کی نزاکت کو قبطی قوم کے سرداروں نے بھانپ لیا اور فرعون کے پاس یہ عرضی لے کر گئے کہ آپ اگر اسی طرح بچوں کو ذبح کرتے رہے تو محنت والے کام ہمارے بچوں کو کرنے پڑیں گے، اس بات سے فرعون نے اتفاق کیا اور یہ حکم صادر کیا کہ ایک سال بچوں کو قتل کیا جائے اور ایک سال چھوڑ دیا جائے۔ اب اگر یہاں قتل کا وہی معنیٰ مراد لیا جائے جو پرویز صاحب اس آیت میں مراد لیتے ہیں تو یہ ساری تمہید اور تفسیر بے کار جائے گی کیونکہ جب بنی اسرائیل کو مارنا ہی نہیں ہے اور ان سے محنت والے کام ہی لینے ہیں تو قبطی سرداروں کی عرضی کیسی؟ اور جب ان سے لینا ہی خدمت کا کام ہے تو کیا ان کو عزت و تکریم سے نوازنا ضروری ہے؟ ان کو حقیر سمجھتے ہوئے بھی کام لیا جا سکتا ہے اور دنیا کا عرف بھی یہی ہے کہ خدمت گاروں کی تکریم نہیں کی جاتی۔ یہ سارے اشکالات اور الجھنیں تب پیدا ہوں گی جب ہم جناب پرویز کا معنیٰ مراد لیں۔

علامہ ماوردی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

قال السدي: إن فرعون رأى في المنام أن ناراً أقبلت من بيت المقدس حتى اشتملت على بيوت مصر فأحرقت القبط وتركت بني إسرائيل فسأل علماء قومه عن تأويله، فقالوا: يخرج من هذا البلد رجل يكون على يده هلاك مصر، فأمر بذبح أبنائهم

واستحياء نسائهم، وأسرع الموت في شيوخ بني إسرائيل فقال القبط لفرعون: إن شيوخ بني إسرائيل قد فنوا بالموت وصغارهم بالقتل فاستبقهم لعملنا وخدمتنا أن يستحيوا في عام ويقتلوا في عام فولد هارون في عام الاستحياء وموسى في عام القتل.[19]

ترجمہ: سدی کہتے ہیں کہ فرعون نے خواب دیکھا کہ ایک آگ بیت المقدس کی جانب سے ظاہر ہوئی، اس نے مصر کے گھروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اس آگ نے قبطی قوم کو جلا دیا اور بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ فرعون نے اس خواب کی تعبیر اپنی قوم کے علما سے دریافت کی، انہوں نے کہا کہ اس شہر سے ایک شخص نکلے گا، اس کے ہاتھوں مصر کی ہلاکت ہو گی، فرعون نے یہ سنتے ہی حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے، بنی اسرائیل کے لڑکے یوں قتل ہونے لگے اور بنی اسرائیل کے بوڑھے تیزی سے فوت ہونے لگے، اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے قبطیوں نے فرعون سے کہا کہ بنی اسرائیل کے بوڑھے طبعی موت مرتے جا رہے ہیں اور بچے قتل سے مرتے جا رہے ہیں، فرعون نے ان کی بات پر عمل کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ایک سال زندہ رکھنے کا حکم دیا تا کہ ان سے خدمت لی جا سکے اور دوسرے سال قتل کرنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام زندہ چھوڑے جانے کے سال پیدا ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام قتل کیے جانے کے سال پیدا ہوئے۔

علامہ ماوردی نے بھی آیت مذکورہ کی تفسیر وہی کی ہے جو تفسیر طبری میں کی گئی ہے، ہاں اس میں اتنا اضافہ ہے کہ فرعون نے خواب دیکھا جب اس کی تعبیر پوچھی گئی تو اس کے علما نے ایک شخص کی آمد کی پیشین گوئی کی جس کے ہاتھوں قبطی قوم کی ہلاکت ہو گی۔ اس خواب کی تعبیر سے ڈرتے ہوئے فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سے آگے وہی تفسیر ہے جو تفسیر طبری کے اقتباس میں گزر چکی اور اس پر سیر حاصل گفتگو بھی ماسبق میں گزر چکی۔ سر دست اسی خواب اور اس کی تعبیر والی تفسیر ہی کو موضوع بحث بنایا جائے تو اس سے بھی لفظ قتل کے جمہور والے معنیٰ کی تائید و توثیق ہوتی ہے نہ کہ اس معنیٰ کی جسے جناب پرویز نے اختیار کیا۔ فرعون کو جب علم ہوا کہ ایک شخص ایسا پیدا ہو گا جس کے ہاتھوں قبطی قوم کی ہلاکت ہو گی تو اس نے قتل کا حکم دے دیا، یہاں قرین قیاس یہی ہے کہ اس نے ان کو جان سے مارنے کا حکم دیا ہو گا نہ کہ حقیر سمجھ کر پھینک دینے کا، بلکہ ایسے موقع پر دشمن کو اگر حقیر سمجھ کر پھینک دیا جائے تو اس میں تو سراسر اپنے دشمن کو مضبوط بنانا ہے کہ الگ رہ کر وہ زیادہ بہتر طریقے

سے سازش کر سکے گا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جناب پرویز نے اپنے اختیار کردہ معنیٰ کو ترجیح دینے کے لیے لغوی منہج تفسیر کا سہارا لیا ہے اور اسلاف کے اقوال و آثار کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔

علامہ سمعانی اس آیت کی تفسیر میں پہلے تو اس خواب، اس کی تعبیر اور فرعون کے اس پر ردعمل کا ذکر کرتے ہیں جس کی تفسیر علامہ ماوردی کے اقتباس میں گزر چکی، اس کے بعد وہ زجاج کا ایک قول نقل کرتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ درج بالا اقتباس میں سے صرف اسی پر گفتگو کر لی جائے۔ علامہ سمعانی لکھتے ہیں:

قَالَ الزّجاج: وَهَذَا من حمقه لِأَنَّهُ إِن كَانَت الكهنة صَادِقين فَمَا يُغني الْقَتْل، وَإِن كَانُوا كاذبين فَلَا معنى للْقَتْل أَيْضا. قَالَ وهب: فَلَمَّا فعلوا ذَلِك فِي ولدان بني إِسْرَائِيل،وتسارع الْمَوْت إِلَى شيوخهم، فَاجْتمع الْأَشْرَاف من القبط إِلَى فِرْعَوْن، وَقَالُوا لَهُ: إِنَّك تقتل أَوْلَاد بني إِسْرَائِيل، وَقد تسارع الْمَوْت إِلَى شيوخهم، فَعَن قريب لَايبْقى مِنْهُم أحد،وَترجع الْأَعْمَال إِلَيْنَا،وَقد كَانُوا يستعملون بني إِسْرَائِيل فِي الْأَعْمَال الشاقة.[20]

ترجمہ: زجاج کہتے ہیں کہ فرعون کا بنی اسرائیل کے لڑکوں کو محض اس وجہ سے قتل کروانا کہ کاہنوں نے پیشین گوئی کر دی ہے سراسر حماقت پر مبنی تھا کیونکہ اگر کاہن سچے ہوتے تو قتل بے سود تھا، قتل کی وجہ سے تقدیر کے لکھے کو تو ٹالا نہیں جا سکتا اور اگر کاہن جھوٹے تھے تو قتل کا جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس قول سے بھی صراحت کے ساتھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کا بچوں کو قتل کروانا درحقیقت وہی قتل تھا جو عرف عام میں معروف بھی ہے نہ کہ حقیر سمجھ کر پھینک دینا جیسا کہ جناب پرویز نے مراد لے لیا ہے۔

اضرب اور عصا کا معنیٰ:

حضرت موسیٰ کو اللہ پاک نے جو معجزات عطا کیے ان میں سے ایک لاٹھی تھی جس کا تعارف قرآن پاک میں انہی کی زبانی مذکور ہے۔

قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَکَّؤُا عَلَیْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَ لِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی[21]

ترجمہ: انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔ اس پر میں سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور بھی کئی فائدے ہیں۔

عصا کے اس تعارف کے بعد کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا کہ لفظ عصا کے کوئی اور معنیٰ کیے جائیں، جب ایک مرتبہ اللہ پاک نے خود حضرت موسیٰ کی زبانی اس کا تعارف کروا دیا اب جہاں بھی حضرت موسیٰ کے قصے میں عصا کا لفظ مذکور ہو گا اس سے یہی لکڑی کا ڈنڈا مراد ہو گا نہ کہ جماعت۔ اس عصا کے ذریعے حضرت موسیٰ کے ہاتھ پر کئی معجزے

ظاہر ہوئے۔ مثلاً سمندر کا پھٹنا، پتھر سے چشموں کا پھوٹ پڑنا اور سانپ بن جانا وغیرہ۔ نیز آیت مذکورہ میں جناب پرویز نے ضرب کا معنیٰ چلنا یا سفر کرنا لیے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ضرب یضرب کا معنیٰ چلنا اور سفر کرنا بھی آتے ہیں اور قرآن میں اس معنیٰ میں مستعمل بھی ہے لیکن مذکورہ آیت میں اضرب کا معنیٰ چلنا اور سفر کرنا مراد لینا محض ایک لغوی انحراف ہے اور اس کی تائید اور دلیل کتب تفسیر میں کہیں نہیں ملتی۔ جناب پرویز معجزات کے قائل نہیں ہیں، اس کی کیا تفصیل ہے یہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہے، سر دست یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ انہوں نے کس طرح لغوی طرز تفسیر کا سہارا لے کر جمہور سے علیحدہ روش اختیار کی ہے۔ سورۃ الشعراء میں اللہ پاک نے حضرت موسیٰ کا قصہ بیان کرتے ہوئے بیان فرمایا ہم نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو انہوں نے ماری تو سمندر پھٹ گیا اور اس میں راستے بن گئے۔ اس طرح اللہ پاک نے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو فرعون سے نجات عطا کی اور فرعون کو اپنی فوج سمیت غرق آب کیا۔[22] جناب پرویز اس قصے کو معجزہ تسلیم کرنے کے بجائے لغوی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عربی زبان میں عصا کے معنیٰ لاٹھی ہی کے نہیں بلکہ جماعت کے ہیں، عصا کو عصا (لاٹھی) اس لیے کہتے ہیں کہ اسے انگلیاں مجتمع کر کے مضبوطی سے پکڑا جاتا ہے اور ضرب کا معنیٰ چلنا یا سفر کرنا بھی آتے ہیں، اس اعتبار سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی جماعت کو لے کر سمندر کی طرف جاؤ۔"[23]

لغت میں عصا کا معنیٰ جماعت بذات خود محل نظر ہے۔ عصا یعصو میں اجتماع کا معنیٰ ضرور پایا جاتا ہے۔[24] اور جماعت کا معنیٰ اس سے مستفاد ہے نہ کہ معنیٰ اصلی، لہٰذا یوں کہ دینا کہ عصا کا معنیٰ جماعت ہے لغت کی رُو سے صحیح نہیں، لیکن اگر اس معنیٰ کو درست مان بھی لیا جائے تب بھی اقوال صحابہ تو درکنار تفسیر کے کسی بھی بنیادی اور معتبر ماخذ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اسی طرح اضرب کا معنیٰ بھی جناب پرویز نے جمہور سے ہٹ کر اختیار کیا ہے، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ معتبر اور بنیادی مآخذ تفسیر کی روشنی میں دونوں الفاظ کے معانی کو پرکھا جائے۔

علامہ طبری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فأوحى الله جل وعز إلى موسى: أن اضرب بعصاك البحر، فضربه بها، وفيها سلطان الله الذي أعطاه، فانفلق فكان كل فرق كالطود العظيم، أي كالجبل على نشز من الأرض[25]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو، انہوں نے عصا مارا، اس عصا میں نشانی تھی جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی تھی پس اس مارنے سے سمندر پھٹ کر مختلف حصوں میں بٹ گیا بڑے پہاڑ کی طرح یعنی زمین پر ابھرے ہوئے پہاڑ کی طرح۔

درج بالا تفسیری اقتباس میں علامہ طبری نے عصا اور ضرب کا معنٰی وہی بیان کیا ہے جو جمہور امت کے ہاں رائج ہے یعنی عصا سے لاٹھی مراد ہے اور ضرب سے مارنا۔جناب پرویز نے عصا اور ضرب کے جو معنٰی بیان کیے ہیں وہ محض ان کی رائے ہے جس کا بنیادی مقصد محض معجزات کا انکار کرنا ہے اور اس کے لیے انہوں نے لغت کا سہارا لیتے ہوئے ان الفاظ کا بعید معنٰی مراد لیا اور آثار سے منقول معانی کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

علامہ ماوردی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

روى عكرمة عن ابن عباس أن موسى لما بلغ البحر واتبعه فرعون قاله له فتاهُ يوسع بن نون: أين أمرك ربك؟ قال: أمامك , يشير إلى البحر,ثم ذكر أنه أمر أن يضرب بعصاه البحر فضربه , فانفلق له اثنا عشر طريقاً وكانوا اثني عشر سبطاً لكل سبط طريق,عرض كل طريق فرسخان.[26]

ترجمہ: عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب موسیٰ سمندر پر پہنچے اور فرعون نے آپ کا پیچھا کیا تو موسیٰ علیہ السلام سے ان کے شاگرد یوشع بن نون نے استفسار کیا کہ آپ کے رب نے آپ کو کہاں کا حکم دیا ہے موسیٰ نے جواب دیا تمہارے سامنے کا اور سمندر کی طرف اشارہ کیا پھر حضرت موسیٰ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا عصا سمندر پر مارنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا انہوں نے عصا سمندر پر مارا، پس سمندر پھٹ کر بارہ راستوں میں بٹ گیا، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلے کے لیے ایک راستہ ہو گیا اور ہر راستے کی چوڑائی دو فرسخ تھی۔

اس تفسیر سے بھی جمہور مفسرین کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ عصا سے مراد لکڑی کی لاٹھی ہی ہے نہ کہ جماعت اور ضرب کا معنٰی بھی مارنا ہی مراد لیا ہے، اس میں مزید اس بات کی وضاحت بھی ہو گئی کہ سمندر میں خشکی کے راستے بن گئے اور ہر راستے کی چوڑائی دو فرسخ تھی۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فَانْفَلَقَ وَلَا شُبْهَةَ فِي أَنَّ الْمُرَادَ فَضَرَبَ فَانْفَلَقَ لِأَنَّهُ كَالْمَعْلُومِ مِنَ الْكَلَامِ إِذْ لَا يَجُوزُ أَنْ يَنْفَلِقَ مِنْ غَيْرِ ضَرْبٍ وَمَعَ ذَلِكَ يَأْمُرُهُ بِالضَّرْبِ لِأَنَّهُ كَالْعَبَثِ وَلِأَنَّهُ تَعَالَى جَعَلَهُ مِنْ مُعْجِزَاتِهِ الَّتِي ظَهَرَتْ بِالْعَصَا[27]

ترجمہ: پس سمندر پھٹ گیا، اور فَضَرَبَ فَانْفَلَقَ کی مراد میں کوئی شبہ نہیں ہے کیونکہ یہ کلام سے واضح معلوم ہو رہا ہے، اس لیے کہ پھٹنا بغیر ضرب کے درست نہیں ہے نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو مارنے کا حکم دیا کیونکہ بغیر مارنے کے پھٹنا عبث ہے اور اس کی وجہ یہ بھی تھی

کہ اللہ پاک اس معاملے کو ان معجزات میں سے بنانا چاہتے تھے جو عصا کے ذریعے ظاہر ہوئے۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں معجزے کو صراحت سے بیان کر دیا کہ سمندر کا پھٹنا ضرب کے نتیجے کے طور پر ہی ہوا کیونکہ ضرب کے بغیر پھٹنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس تفسیر سے بھی جناب پرویز کے مؤقف کی تائید نہیں ہوتی بلکہ جمہور مفسرین کے متفق علیہ معنیٰ ہی کی تائید ہوتی ہے۔

ابن عطیہ اندلسی لکھتے ہیں۔

> لما عظم البلاء على بني إسرائيل أمر الله موسى أن يضرب البحر بعصاه، وذلك لأنه عز وجل أراد أن تكون الآية متصلة بموسى ومتعلقة بفعل فعله وإلا فضرب العصا ليس بفالق للبحر ولا معين على ذلك بذاته إلا بما اقترن به من قدرة الله واختراعه، ولما انفلق البحر صار فيه اثنا عشر طريقا على عدد أسباط بني إسرائيل، ووقف الماء ساكنا كالجبل العظيم[28]

> ترجمہ: جب بنی اسرائیل پر بہت بڑی آزمائش آن پڑی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لاٹھی سمندر پر مارنے کا حکم دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا تھا کہ نشانی حضرت موسیٰ سے مربوط ہو جائے اور انہی کے فعل سے منسوب ہو جائے ورنہ لاٹھی مارنے سے سمندر نہیں پھٹتا اور نہ ہی بذاتہ لاٹھی مارنا سمندر کو پھاڑنے میں مددگار ہے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اللہ کی قدرت اور ایجاد شامل حال ہو، جب سمندر پھٹ گیا تو اس میں بنی اسرائیل کے قبائل کی تعداد کے موافق بارہ راستے بن گئے اور پانی ایک بہت بڑے پہاڑ کی طرح ساکن ہو کر ٹھہر گیا۔

درج بالا تفسیری پیراگراف میں فاضل مفسر نے تفسیر ہی اس بنیاد پر کی ہے کہ عصا کا سمندر پر مارنا ایک معجزہ تھا جس کا ظہور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ پر کرنا چاہتے تھے ورنہ ایک لکڑی کی ضرب سے سمندر کا پھٹ کر پہاڑ کی صورت ساکن ہو کر ٹھہر جانا ایک محال امر ہے۔اور یہی مؤقف جمہور مفسرین کا ہے جو آثار سے ماخوذ ہے بر خلاف جناب پرویز کے کہ وہ سرے سے معجزات کے قائل ہی نہیں، اسی لیے انہوں نے لغوی منہج تفسیر کا سہارا لے کر آثار و اقوال سے بعید تر لغوی معنیٰ بیان کیا ہے۔

خلاصہ بحث

قرآن پاک کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے جن علوم کی ضرورت پیش آتی ہے ان میں سے ایک علم عربی لغت ہے، قرآن کی زبان چوں کہ عربی ہے اس لیے لغت عرب سے واقفیت ناگزیر ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز

نہیں کہ لغت ہی وہ واحد علم ہے جس پر قرآن پاک کا سمجھنا موقوف و مشروط ہے بلکہ دیگر علوم کی طرح یہ بھی ایک علم ہے جو تفسیر قرآن میں مدد و معاون ہے اور تفسیر کرتے ہوئے لغت عرب سے استفادہ کرنا لغوی منہج تفسیر کہلاتا ہے۔ عربی لغت دنیا کی دوسری زبانوں سے بایں معنیٰ بھی فائق ہے کہ اس میں گہرائی اور گیرائی دوسری زبانوں کی نسبت زیادہ پائی جاتی ہے، اب تفسیر قرآن میں مسئلہ یہ پیش آتا ہے کہ ایک لفظ کے کثیر معانی میں سے کس معنیٰ کو لیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے؟ ایک معنیٰ کو ترجیح دی جائے تو کس بنیاد پر اور ایک معنیٰ کو ترک کیا جائے تو کس بنیاد پر؟

اس موقع پر کسی لفظ کے ایک سے زائد معانی کی صورت میں جناب نبی کریم ﷺ کی جانب سے جس معنیٰ کی تائید ہو گی وہی راجح کہلائے گا اور دوسرے تمام معانی مرجوح کہلائیں گے۔ تو معلوم ہوا کہ تفسیر قرآن میں لغت عرب بھی وہی معتبر ہو گی جس کو اقوال و آثار سے تائید حاصل ہو اور یہی امت کے اسلاف سے منقول ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ تفسیر کرتے ہوئے لغت کے میدان میں آزادی سے خوشہ چینی کرنا اسلاف کے ہاں روا نہیں ہے اور نہ ہی یہ تفسیر قرآن کا محمود طرز ہے۔

اردو تفسیری ادب میں لغوی منہج تفسیر محمود و مذموم دونوں طرح پایا جاتا ہے، زیر نظر مقالہ میں اسی منہج کے مذموم پہلو کی جانب قارئین کی توجہ مبذول کروانا مقصود ہے۔ اس مقصد کے لیے مقالہ نگار نے جناب غلام احمد پرویز کی تفسیر مطالب الفرقان کا انتخاب کیا اور اس مقالہ میں جناب پرویز کی کتب کے اقتباسات کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ وہ کس طرح اپنے مذموم نظریات کو تائید ربانی دینے کے لیے لغوی منہج کا سہارا لیتے ہیں اور اس ضمن میں وہ احادیث اور آثار کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں، ایک لفظ کے کئی معانی بیان کرنا مذموم نہیں ہے لیکن کسی لفظ کے ایک سے زیادہ معانی میں سے ایک معنیٰ کو محض اپنے فہم سے ترجیح دینا، اسی کے درست ہونے پر اصرار کرنا اور اس کے علاوہ باقی معانی کو محض اپنے نظریات مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے ترک کر دینا نہایت مذموم ہے حالانکہ کسی معنیٰ کو ترجیح دینے کا معیار ہرگز یہ نہیں ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں بنیاد تو جناب پرویز کی "مطالب الفرقان" کو بنایا گیا ہے لیکن چونکہ ان کی دیگر کتب بھی زیادہ تر ان کے تفسیری اقوال پر مشتمل ہیں اس لیے بوقتِ ضرورت ان کتب سے بھی حوالہ جات لیے گئے ہیں، تاکہ اس امر کو واضح کیا جا سکے کہ کس طرح لغوی منہج تفسیر کو اختیار کرتے ہوئے مختلف مزاج رکھنے والے اہلِ علم و دانش اپنے باطل نظریات کو قرآنی پیغام کی صورت دیتے ہیں اور قرآن کے نام سے ذاتی نظریات کی ترویج کرتے ہیں۔ انسان کی طبیعت میں جدت پسندی فطری طور پر ودیعت کی گئی ہے لہٰذا جب کسی شخص کے سامنے کسی آیت کے نئے نئے معانی بیان کیے جاتے ہیں تو سننے والے کانوں کو یہ باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور ایک سادہ لوح مسلمان ان باطل نظریات کے پُر فریب جال میں پھنس جاتا ہے۔

سفارشات

- اردو تفسیری ادب میں لغوی منہج تفسیر کو سرکاری سطح پر فروغ دیا جائے تاکہ آئے روز پیدا ہونے والے فتنوں کا سدباب کیا جا سکے۔
- مقتدر اہل علم کو چاہیے کہ اردو زبان میں لغوی منہج تفسیر پر ایک ایسی تفسیر مرتب کی جائے جو بسط و جمع ہر دو خوبیوں پر مشتمل ہو تاکہ دور حاضر کی فکری و علمی لغزشوں کی نشان دہی کر کے امت کو گمراہی میں پڑنے سے بچایا جا سکے۔

حواشی و حوالہ جات

[1] غلام احمد پرویز 9 جولائی 1903ء کو بٹالہ ضلع گورداس پور بھارت میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا حکیم مولوی رحیم بخش حنفی مسلک کے ایک عالم اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ممتاز بزرگ تھے۔ غلام احمد پرویز نے بی۔اے تک تعلیم مکمل کی اور وسطی بھارت کی حکومت کے سیکریٹیریٹ میں ملازم ہوئے۔ علامہ محمد اقبال سے متاثر ہو کر رسالہ طلوع اسلام نکالا جو ان کی پہچان بن گیا۔ نظریاتی طور پر اپنے استاد اسلم جے راج پوری سے متاثر ہو کر فہم قرآن کے عنوان سے حدیث کی منفرد توجیہہ اختیار کی۔ بعد ازاں پاکستان میں اس کے سرخیل کہلائے۔ ان کے بیشتر نظریات امت کے جمہور اہل علم سے جدا تھے۔ قریباً بیس کتب تصنیف کیں جن میں سے اکثر قرآنی مطالب میں ان کے ذاتی تفردات کی نشان دہی کرتی ہیں۔ آپ نے "مطالب الفرقان" کے نام سے ایک تفسیر لکھی جو دراصل ان کے دروس قرآن کا مجموعہ ہے۔ آپ نے 24 فروری 1985ء کو لاہور میں وفات پائی۔

[2] پرویز، غلام احمد، شخصیت پرستی، **مجلہ طلوع اسلام**، (لاہور: ادارہ طلوع اسلام، اپریل 1940ء) ص 42۔

Parvez, Ghulām Ahmad, Shakhsiyat Parastī, ***Ṭulo'u Islām magazine***, (April 1940), p. 42.

[3] القرآن 56:7

Al Qur'ān 7:56

[4] الزجاج، إبراهيم بن السري، **معاني القرآن وإعرابه**، (بيروت: عالم الكتب، الطبعة الأولى 1408ھ)، ج 3، ص 58۔

Al Zujāj, Ibrahīm bin al Sirrī, Ma'ānī al Qur'ān wa 'ārabuhu, (Beirut: Aālam al Kutub, 1408 AH), 3: 58.

[5] الطبری، محمد بن جریر، **جامع البيان عن تاويل آى القرآن** (بيروت: مؤسسة الرسالة، 1420ھ)، ج 15، ص 364۔

Al Ṭabrī, Muhammad Bin Jarīr, Jami ul Bayān an Tawīl e Aaye Al-Qur 'ān, (Beirut: Al-Risālah Foundation, 1420 AH) 15: 364.

[6] الطبری، **جامع البيان عن تاويل آى القرآن**، ج 1، ص 242۔

Al Ṭabrī, Jami ul Bayān an Taweel e Aaye Al-Qur 'ān, 1:242.

[7] القرآن 33:56-

Al Qur'ān 33:56.

[8] پرویز، **مجلہ طلوع اسلام**،(اپریل1995ء)،ص8-

Parvez, Ṭulo'u Islām magazine, (April 1995) p. 8.

[9] الطبری، **جامع البیان عن تاویل آی القرآن**، ج20،ص320-

Al-Tabrī, Jami ul Bayān an Taweel e Aāye Al-Qur 'ān, 20: 320.

[10] الماوردی،ابو الحسن علی،**النکت والعیون**،(بیروت:دارالکتب العلمیہ،س ن)، ج4،ص421-

Al-Mawerdi, Abu Al-hasan Ali, Al-Nukat wal Ayon, (Beirut: Dar al Kutub al Ilmiyah, n.d.), 4: 421.

[11] القرآن 9:103-

Al- Qur'ān 9: 103.

[12] القرآن 33:56-

Al- Qur'ān 33: 56.

[13] البغوی،حسین بن مسعود،**معالم التنزیل فی تفسیر القرآن**،(بیروت:دار احیاء التراث العربی،الطبعۃالاولیٰ1420ھ)، ج1،ص85-

Al- Baghwī, Al-Husain bin Masood, M'aālim ul Tanzīl fī Tafsīr il Qur 'ān, (Beirut: Dar Ihya al Turth al Arbī, 1420 AH), 1: 85.

[14] البیضاوی،ناصرالدین،**انوار التنزیل و اسرارالتاویل**،(بیروت:داراحیاءالتراث العربی،1418ھ)، ج4،ص238-

Al bezāwī, Abdullah bin Umar, Anwār ul Tanzīl wa Asrār rul Tāwīl, (Beirut: Dar Ihya al Turth al Arbī, 1418 AH), 4: 238.

[15] القرآن 28:9-

Al- Qur'ān 28:9.

[16] القرآن 28:4

Al- Qur'ān 28:4.

[17] پرویز، غلام احمد، **لغات القرآن**،(لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ، اکتوبر1998ء)،ص692-

Parvez, Ghulām Ahmad, Lughāt ul Qur 'ān, (Lahore: Ṭulo'u Islām Trust, Oct. 1998), p. 692.

[18] الطبری،**جامع البیان عن تاویل آی القرآن**، ج19،ص518-

Al-Tabrī, Jami ul Bayān an Tawīl e Aaye Al-Qur 'ān, 19: 518.

[19] الماوردی،**النکت و العیون**، ج4،ص234-

Al-Mawerdī, Al-Nukat wal Ayon, 4: 234-

[20] السمعانی،منصوربن محمد،**تفسیر القرآن**،(ریاض:دارالوطن،الطبعۃ الاولیٰ،1418ھ) ج4ص121-

Al-Sam'ānī, Mansoor bin Muhammad, Tafsīr ul Qur 'ān, (Riyadh: Dār ul Watan,1418AH),4:121.

[21] القرآن 20:18

Al- Qur'ān 20:18

[22] القرآن 63:26

Al- Qur'ān 26:63

[23] پرویز، غلام احمد، **برق طور**، (لاہور: طلوع اسلام ٹرسٹ، 1993ء)، ص 91۔

Parvez, Ghulām Ahmad, Barq e Toor, (Lahore: Ṭulo'u Islām Trust, 1993), p. 91.

[24] ابن منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب**، (بیروت: دار صادر، 2010ء) ج15، ص64۔

Ibn e Manzoor, Muhammad bin Mukarram, Lisān ul Arab, (Beirut: Dār e Sādir, 2010) 15: 64.

[25] الطبری، **جامع البیان عن تاویل آی القرآن**، ج2، ص51۔

Al-Tabrī, Jami ul Bayān an Tawīl e Aaye Al-Qur'ān, 2: 51.

[26] الماوردی، **النکت و العیون**، ج4، ص174۔

Al-Mawerdī, Al-Nukat wal Ayon, 4: 174.

[27] الرازی، محمد بن عمر، **مفاتیح الغیب**، (بیروت: دار الفکر، 1420ھ) ج24، ص507۔

Al- Razī, Muhammad bin 'Umar, Māfatīh al Ghaib, (Beirut: Dār al Fikr, 1420AH), 24: 507.

[28] الاندلسی، ابن عطیه، **المحررالوجیز في تفسیرالکتاب العزیز**، (بیروت: دارالکتب العلمیة، 1422ھ)، ج4، ص233۔

Al Undlusi, Ibn e Atya, Al-Muharar Al wajīz fī Tafsīr al kitab il Azīz, (Beirut: Dār al kutub al Ilmiya, 1422 AH), 4: 233.